عسکری انقلابی تحریک ۳۱۔۱۹۰۷ء
تحریکِ آزادی کا ایک باب

محمد اعظم چوہدری*

ABSTRACT

'Kaya Namdhari' movement marked the beginning of armed revolutionary movements in British India. The movement inspite of meaning to purge the religion came to be misunderstood as a political rather than a religious movement due to frequent clashes between the Kohas' and the government. It was a co-incidence that in 1907, the government of Punjab passed a bill allowing the public property to be used for settlements. This was followed by a fiery movement all over Punjab called 'Pagri-Sambhal O' Jatta (O, Peasant, guard your turban - meaning honor). Lord Minto vetoed the bill theory reducing the agitation of farmers. The revolutionary leaders, who had by then relocated to Europe and America, formed a revolutionary party. This plan to bring about a revolution on 22nd February, 1915 went awry. Maulana Mahmed Hasan and his followers believed that the solution to India's problems plus the imminent danger faced by the Khilafat could be resolved only through a foreign attack on India. Maulana sent his trusted student to convince the Afghan ruler and Turkey to invade India. This plan, however, met the same fate as its predecessors. Another revolutionary party called "Babbar Akali" believed harmed resistance to be the right way to bring about a revolution. They went on to slaughter numerous government agents and officer. During the decade of 1930, before the formation of the socialist Republican Party, the revolutionary movement only had patriotism as its basis instead of a clear ideology. They believed in acts of individual terrorism to be acceptable. In order to curb the growing influence of communism, the government put forwarded bills in the central assembly. As a protest against these bills. Bhagat Singh and BK Dutt bombed the Assembly Hall. It was soon followed by the captain and killings of these revolutionary leaders. Special tribunal sentenced Bhagat Singh and his companions to death on 7th October, 1930.

This weakened the revolutionary movement; however, it went on to add their struggle as a memorable chapter in the history of this nation's struggle for independence.

* ڈاکٹر، پروفیسر/ چیئرمین شعبۂ سیاسیات، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی، researchjournalpk@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۱۲؍دسمبر ۲۰۱۰ء

خلاصہ:

برصغیر جنوبی ایشیاء میں برطانوی راج کے قیام کے بعد عسکری انقلابی تحریک کی ابتداء کو ”کایا نامدھاری تحریک“ (۷۲۔۱۸۶۲ء) سے ہوئی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ۱۹۰۷ء میں حکومتِ پنجاب نے زرعی اراضی سے متعلق سرکاری اراضی کی آبادکاریت کا بل منظور کیا۔ اس بل کے خلاف پنجاب بھر میں ”پگڑی سنبھال او جٹّا“ کے نام سے زبردست تحریک چلی۔ اس تحریک کے روحِ رواں اجیت سنگھ اور لالہ لجپت رائے تھے۔ وائسرائے لارڈ منٹو نے کسانوں کے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہوئے آبادکاریت بل کو ویٹو کر دیا۔ اس سے کسانوں کا ایجی ٹیشن ختم ہو گیا۔ لیکن اس تحریک کے پیدا کردہ رہنمائوں سردار اجیت سنگھ، صوفی انباء پرشاد اور دیگر نے اپنے ٹھکانے بیرونِ ملک بالخصوص یورپ اور امریکا میں منتقل کر لیے۔ پارٹی کے حوالے سے بابا سوہن سنگھ بھکنہ، لالہ ہردیال اور مولوی برکت اللہ بھوپالی معروف نام ہیں۔ اس پارٹی نے ۲۲ فروری ۱۹۱۵ء کا دن انقلاب کے لیے منتخب کیا تھا مگر مخبری ہو جانے کی وجہ سے سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ عالمِ اسلام کا مسئلہ بشمول مسئلہ خلافت ہندوستان کی آزادی کے بغیر حل نہیں ہو سکتا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی غیرملکی طاقت ہندوستان پر حملہ کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے امیر افغانستان کو ترکی اور جرمنی کے ساتھ مل کر فوج کشی پر آمادہ کرنے کے لیے ۱۹۱۵ء میں اپنے عزیز شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل بھیجا۔ جنہوں نے وہاں پہنچ کر راجہ مہندر پرتاب اور مولوی برکت اللہ بھوپالی کے ساتھ مل کر ہندوستان کی جلاوطن حکومت قائم کی۔ لیکن یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

جنگِ آزادی

۱۸۵۷ء میں پنجاب کے سپوتوں نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لیے غدر کا راستہ اختیار کیا اور بہادری کی ناقابلِ فراموش داستانیں رقم کیں۔(۱) انیسویں صدی میں برطانوی جارحیت کے خلاف بعض وقتی مگر مقبول تحریکیں بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے سنتھال بغاوت (۱۸۵۵ء)، انڈیگو غدر (۱۸۶۰ء)، دکن کے کسانوں کی بغاوت (۱۸۷۰ء) اور بعض دوسری بغاوتیں جو مشرقی اور شمال مغربی سرحدوں پر مختلف قبائل نے کیں۔ پنجاب میں آزادی کا شعلہ ۷۲۔۱۸۶۲ء کے عرصے میں کوکاؤں (KUKAS) نے بھڑکایا۔ انہوں نے عدم تعاون جیسے پُرامن طریقوں کے ساتھ پہلی بار متشدد انقلابی جدوجہد شروع کی۔(۲) اس روایت کو بیسویں صدی میں مزید آگے بڑھایا گیا۔ اس صدی کے ابتدائی دور

میں ملک معاشی اور سیاسی بحران سے دوچار تھا۔ بار بار کی قحط سالی اور انیسویں صدی کے آخر میں پھیلنے والی طاعون (Plague) کی وبا نے مرنے والوں کی بہت بڑی تعداد نے اپنے ناخوشگوار اثرات مرتب کیے۔صرف پنجاب میں ۵۰ ہزار افراد ایک ہفتے میں موت کا شکار ہوئے۔(۳) یورپ اور ایشیا میں ہونے والے بعض واقعات نے مغربی سامراج کی برتری کو اہلِ وطن کی نظر میں مشکوک کر دیا۔ ۱۸۹۶ء میں ایبے سینا (ایتھوپیا) کے ہاتھوں اٹلی کی شکست، ۱۹۰۵ء میں جاپان کا روس کو شکست دینا اور ۱۳۔۱۹۰۸ء کے عرصے میں بلقانی ریاستوں کی سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی یا آزادی وغیرہ۔ رنگ و نسل کی چپقلش، انگریزوں کا سلوک اور نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے بے چینی اور پریشانی میں اضافہ کیا۔

تقسیمِ بنگال (۱۹۰۵ء) نے بنگال میں عسکری قوم پرستی کو جنم دیا اور اس کے اثرات مہاراشٹر اور اتر پردیش (یوپی) پر بھی مرتب ہوئے۔ مگر اس کا پنجاب کی صورتحال پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ۱۹۰۷ء میں حکومتِ پنجاب نے سرکاری اراضی کی آبادکاری (پنجاب) کا بل پاس کیا۔ اس بل نے زمین اور کسانوں کے تعلق کو یکسر بدل دیا۔ اس سے قبل کسانوں کو زمینیں مفت اور معمولی لگان پر دی جاتی تھیں لیکن نئے قانون کے تحت اگر کوئی شخص قانونی وارث چھوڑے بغیر مر جاتا تو ڈسٹرکٹ کمشنر زمین کا مالک تصور کیا جاتا۔ سرکاری اراضی سے درخت کاٹنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ حکومت کے اس اقدام سے کسانوں میں بے چینی اور شورش پیدا ہوئی اور مسلح مزاحمتوں میں سے ایک انتہائی اہم مزاحمت اجیت سنگھ کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ سردار اجیت سنگھ کے ساتھ صوفی انباء پرشاد، لالہ لاجپت رائے، بانکے دیال، ضیاء الحق اور سید آغا حیدر رضا تھے۔ یہ تحریک پنجاب میں اپنی نوعیت کی پہلی تحریک تھی اور اس نے انقلابی نظریات کا پرچار جلسے جلوسوں اور انقلابی مواد کی اشاعت کے ذریعے کیا۔ مختلف جلسوں میں پڑھی جانے والی بانکے دیال کی نظم ''پگڑی سنبھال اوجٹا'' نے اس تحریک کا نام ہی ''پگڑی سنبھال اوجٹا'' مشہور کر دیا۔(۴)

مارچ ۱۹۰۷ء کے اختتام تک پوری فضا مکدّر ہو گئی۔ کسانوں کے ساتھ شہروں کے پڑھے لکھے نوجوان بھی میدان میں کود پڑے۔ مذہب کے ساتھ قدیم جذباتی لگاؤ بھی بھڑک اٹھا۔ معاشی مسائل نے صورتحال کو مزید خراب کر دیا۔ انقلابیوں نے کہا کہ ''وید، گیتا اور قرآن سب ہمیں اس بات پر اکٹھا کرتے ہیں کہ ہم اپنے مادرِ وطن کے دشمنوں کو رنگ و نسل اور ذات کے امتیاز کے بغیر قتل کر دیں۔''(۵) انقلابیوں کو ایجی ٹیشن کے آغاز میں ہی سرمیاں محمد شفیع اور چوہدری شہاب الدین جیسے معزز وکلاء اور مولوی سراج الدین احمد (مولانا ظفر علی خاں کے والد) جیسے ممتاز صحافی کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ کیونکہ حکومت کے اس اقدام سے پنجاب میں زمین کے تمام مالکان متاثر ہوئے تھے۔ مجلسِ قانون ساز کے ارکان ملک عمر حیات خان ٹوانہ، ٹھاکر موہن چند اور سردار پرتاب سنگھ اہلووالیہ نے بار بار حکومت سے درخواست کی کہ وہ بل دوبارہ غور کے لیے سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کرے لیکن حکومت نے ان کی ایک نہ سنی۔

انتہا پسند انقلابیوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت کا منصوبہ بھی بنایا۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے نوجوانوں

کوتربیت دی گئی اوران کے تین گروپ بنائے گئے اوّل منتظمین، دوم جاسوس اور سوم دہشت گرد۔ تیسرے اور آخری گروپ کا کام افسروں اور مخبری کرنے والوں کو قتل کرنا تھا۔ انہوں نے خزانوں اور ڈاکخانوں کو لوٹنے کی اسکیم بھی بنائی تاکہ اخراجات پورے کیے جاسکیں۔(۶) بہرحال اہم لیڈروں کی گرفتاری، انتہائی سختی اور حکام کی غیر معمولی نگرانی کی وجہ سے یہ منصوبہ بروئے کار نہیں لایا جاسکا۔ ۹ مئی کو لجپت رائے اور ۳ جون کو اجیت سنگھ کی مانڈلے (برما) جلاوطنی اور دوسرے لیڈروں کی گرفتاری کی وجہ سے یہ تحریک وقتی طور پر دب گئی۔ حالانکہ حکومت کے اس جارحانہ اقدام کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن اور احتجاج ہوا۔ اروہندو گھوش نے ان لیڈروں کی جلاوطنی پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ''ناقابلِ تسخیر قوت کی شان و شوکت، فوجیوں کی توپوں اور ہندوقوں کا خوف، تعزیری قانون کی بے رحمی اور آمروں کی جلد بازی سب نے مل کر دو شہروں پر دھاوا بولا ہے۔ جس کا مقصد کسی شورش پسند یا خطرناک فوجی جرنیلوں کے بجائے چند حریت پسند وکیلوں اور بیرسٹروں کو کچلنا ہے۔''(۷) حکومت کی بندر بانٹ پالیسیوں کا مقابلہ کرنے کی لیے ہندوؤں نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو دیے گئے قرضوں پر سود نہیں لیں گے اور اس رسم کو بھی ختم کر دیں گے کہ مسلمانوں سے ملنے سے ''دھرم بھرشٹ'' ہو جاتا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر دونوں فرقوں کے قائدین نے مشترکہ وفد کی شکل میں پورے ملک کا دورہ کیا۔ لاہور کے بیرسٹر روشن لال نے ایک انتظامی فنڈ قائم کیا تاکہ مظاہروں اور ہنگاموں کے ذریعے انتقام لیا جاسکے۔ اس فنڈ میں لوگوں نے دل کھول کر چندہ دیا۔ حکومت کو فنڈ کے بارے میں یقین تھا کہ اس کا رابطہ صوبے سے باہر ہے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۰۷ء کو لاجپت رائے نے سیکرٹری آف اسٹیٹ جان مارلے کو چٹھی لکھی کہ میرے خلاف جو الزامات عائد کیے گئے ہیں، ان سے مجھے بے خبر رکھا گیا ہے اور یہ کہ میں نے حکومت کے بعض اقدامات کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے وہ قانون کے دائرے میں رہ کر کہا ہے۔ بعض لوگ لاجپت رائے کی چٹھی کو برطانوی حکومت سے نازیبا معافی نامہ قرار دیتے ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مین بہاری مجمدار نے لکھا ہے کہ ''انقلابی تحریک سے وابستگی پُراسراریت کا غلاف اوڑھے ہوئے ہے۔ اگرچہ وہ ان اوّلین لیڈروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے کانگریس کی گداگرانہ پالیسی کی مخالفت کی تھی۔(۸) وائسرائے لارڈ منٹو اور جان مارلے نے حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد ۱۸ نومبر ۱۹۰۷ء کو لاجپت رائے اور اجیت سنگھ کو رہا کر دیا اور لارڈ منٹو کی طرف سے آبادکاری بل کو بھی ویٹو کر دیا گیا۔ حکومت کے ان اقدامات کے نتیجے میں کسانوں کا مظاہرہ تو ختم ہو گیا لیکن انقلابی قائدین کے دباؤ کی وجہ سے اجیت سنگھ اور اس کے دیگر ساتھیوں نے انقلابی سرگرمیوں کو دوبارہ منظّم کیا، خصوصاً انقلابی لٹریچر کی تقسیم۔ کنور سنگھ اور یادداشت جیسے پمفلٹ کے علاوہ دیگر کتابچے بھی عوام اور حکومتی عہدیداروں میں تقسیم کیے گئے۔ ایک پمفلٹ جو ڈپٹی کمشنروں کو بھیجا گیا، اس میں ۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت میں شکست کھانے والے شہیدوں کی تعریف کی گئی تھی اور اہلِ وطن سے اپیل کی گئی تھی کہ جو کام تانتیا ٹوپے، کنور سنگھ، نانا صاحب، رانی لکشمی بائی، احمد خاں کھرل اور دوسرے چھوڑ گئے ہیں، انہیں مکمل کریں۔ حکومتِ پنجاب اس شورش کو دبانے کے لیے ایک

بار پھر میدان میں اتر آئی۔حکومت کے چھاپوں کی پکڑ دھکڑ کے بعد جب انقلابی سمت میں کام کرنا کم وبیش ناممکن ہو گیا اور بیشتر انقلابی کارکن گرفتار ہو گئے تو جیت سنگھ اور صوفی انباء پرشاد خلیج فارس کے شہر بوشائر فرار ہو گئے۔ اجیت سنگھ یورپ پہنچ گئے اور انباء پرشاد ایران میں ہی فوت ہو گئے۔

مسلح انقلابیوں نے اب اپنے ٹھکانے بیرونِ ملک منتقل کر لیے۔ یورپ میں لالہ دینا ناتھ، ہردیال، بھائی پرمانند اور سردار سنگھ رانا جیسے افراد نے شیام جی کرشن ورما، میڈیم بھیکا جی کاما، دیریندر ناتھ چٹو پادھیائے اور ونا یک دامودر ساورکر کے ساتھ کام کیا۔ یہ آخر الذکر کا ہی اثر تھا کہ امرتسر کے ایک انجینئر نگ اسٹوڈنٹ مدن لال ڈھینگڑا (۱۸۸۷ء۔۱۹۰۹ء) نے یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو لندن کے امپیریل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ایک جلسے میں سرولیم کرزن وائلی کو جو سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے انڈیا کے سیاسی معاون تھے، گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سیکرٹری آف اسٹیٹ نے سرولیم ہی کے زیرِ اثر ہندوستان میں ایک بے لگام جبر واستبداد کی پالیسی اختیار کی تھی۔ (۹) وہ بے شمار نوجوانوں کی موت اور ساورکر کی عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا کا ذمہ دار تھا۔ اس وقت جب بڑے قائدین مثلاً بپن چندر پال، سریندر ناتھ بنرجی، گوپال کرشن گوکھلے اور دیگر اس ناپسندیدہ فعل کی مذمت کر رہے تھے تو یورپ اور ہندوستان کی انقلابی اس کی بہادری کی تعریف کر رہے تھے۔ اس سیاسی قتل کا دفاع کرتے ہوئے ڈھینگڑا نے کہا کہ ''میرا عقیدہ ہے کہ جس قوم پر غیر ملکی سنگینوں کا اقتدار مسلط ہو وہ ایک دائمی حالتِ جنگ میں رہتی ہے چونکہ ایک ایسی نسلِ انسانی کے لیے جس کے ہتھیار چھین لیے گئے ہوں، علانیہ جنگ ناممکن بنادی جاتی ہے۔ اس لیے میں نے ناگہانی حملہ کیا۔'' سزائے موت کا حکم ہونے کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۰۷ء کو اس نے تختۂ دار پر جان دے دی۔ اس واقعے کے بعد دہشت گردی کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈبلیو ایس بلنٹ (W.S.Blunt) نے اپنی ڈائری میں لکھا ''لوگ سیاسی قتل کو خود اپنی شکست کہتے ہیں مگر حاکم کو یہ احساس دلانے کے لیے ضروری ہے کہ خود غرضی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ دوسری کہانیوں کی طرح یہ بھی ایک کہانی ہے کہ انگلستان صرف اس وقت معافی مانگتا ہے جب طمانچہ اس کے منہ پر پڑتا ہے، اس سے قبل نہیں۔'' (۱۰)

۱۵۔۱۹۱۱ء کے عرصے میں امریکا اور کینیڈا میں آباد برصغیر کے لوگوں میں بھی انقلابی تحریک نظر آتی ہے۔ ان آباد کاروں کو جب قدم قدم پر غلامی کے طعنے ملے، فقرے بازیاں اور نفرتیں جو اِن ملکوں کے باشندے ہندوستانیوں سے روا رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں امریکا اور کینیڈا کے مزدوروں کے حملے ان سب عوامل نے مل کر اہلیانِ وطن کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ انہیں یہ سب کچھ صرف اس لیے برداشت کرنا پڑ رہا ہے کہ وہ غلام ملک کے شہری ہیں۔ (۱۱) یکم نومبر ۱۹۱۳ء کو سان فرانسسکو (کیلیفورنیا) میں بابا سوہن سنگھ بھکنہ کی زیرِ صدارت ایک تنظیم ''دی انڈین ایسوسی ایشن آف پیسفک کوسٹ'' قائم کی گئی۔ اس تنظیم کے دیگر فعال ارکان ہردیال، پنڈت کاشی رام، بھائی پرمانند، کرتار سنگھ سرابھا، رام چندر، مولوی برکت اللہ بھوپالی، عبدالرحیم اور بہت سے دوسرے تھے۔ اس گروپ نے اہلِ ہند کے دلوں میں حب الوطنی کے جذبات کو بیدار کر

کے انہیں برطانوی استعمار کے خلاف مسلح بغاوت کے لیے تیار کیا۔ ایسوسی ایشن نے اپنے پروپیگنڈا کے لیے ہفتہ وار اخبار ''غدر'' جاری کیا جس سے اس کا نام ہی غدر پارٹی پڑ گیا۔ ابھی غدر پارٹی کے ارکان ہندوستانیوں میں انقلابی لٹریچر تقسیم ہی کر رہے تھے کہ مئی ۱۹۱۴ء میں کوما گاٹا مارو (Komagata Maru) کا واقعہ رونما ہو گیا۔ اور جولائی ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی جس نے صورتحال کو یکسر بدل دیا۔ اس کا اثر انقلابیوں کے منصوبوں پر بھی پڑا۔ کوما گاٹا مارو ۳۷۶ پنجابی مسافروں کی کہانی ہے جنہوں نے ہانگ کانگ سے وینکوور (کینیڈا) کا سفر کیا۔ لیکن کینیڈین حکام نے اسے لنگر انداز نہیں ہونے دیا۔ غدر پارٹی والوں نے کوما گاٹا کے واقعہ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور حکومت کینیڈا کے خلاف پائے جانے والے جذبات کو حکومت برطانیہ کی طرف موڑ دیا۔ غدر پارٹی نے اس کا تعلق ہندوستان کی غلامی سے جوڑ کر اس تجارتی جہاز کے بہت سارے مسافروں کو ملک کی آزادی کے لیے مسلح مجاہدوں میں بدل دیا۔ کوما گاٹا مارو جو نیکوور کے قریب بریڈانلٹ (Burredinlet) میں ۲۱ مئی ۱۹۱۴ء کو پہنچا۔ اس جہاز کا نہ تو غدر پارٹی والوں سے کوئی براہِ راست تعلق تھا اور نہ اس پارٹی کے ارکان کے کارناموں سے۔ لیکن اس واقعے نے برطانیہ کے خلاف تحریکِ آزادی کو اہمیت دی جو اس وقت امریکا، کینیڈا اور جنوب مشرقی ایشیا کے جزیروں میں جاری تھی۔

پہلی عالمی جنگ کی ابتدا پر غدریوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان واپس جا کر انقلاب کی تنظیم کریں۔ وہ اس فیصلہ کن نازک وقت کا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ تقریباً ایک ہزار ہندوستانی جو مختلف ممالک میں مقیم تھے، مختلف ذرائع سے ہندوستان پہنچ گئے۔ پنجاب غدریوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ انہوں نے اپنا لائحہ عمل تیار کیا اور لوگوں کو انگریزی اقتدار کے خلاف بھڑکانے لگے۔ غدریوں نے دہشت انگیز کارروائیوں کے ذریعے حکومت کو خوفزدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اسلحہ خانوں پر حملے کیے، سپاہیوں کو قتل کیا اور فوج کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے مختلف چھاؤنیوں میں فوجیوں سے رابطہ کیا اور ان میں اپنا لٹریچر تقسیم کیا۔ غدریوں نے فضا کو انقلاب کے لیے سازگار جانتے ہوئے ۲۲ فروری ۱۹۱۵ء کا دن منتخب کیا اور اپنا مرکز لاہور کو بنایا۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ہندوستان میں صدارتی طرزِ حکومت رائج کیا جائے گا اور صدارت کا عہدہ لدھیانہ (پنجاب) کے ایک مسلمان نواب خان کو دیا جائے گا۔ (۱۲) تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں کہ کرپال سنگھ کی مخبری سے سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ کرتار سنگھ سرابھا، وشنو گنیش پنگلے اور دوسرے بہت سے غدری لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔

حکومتِ ہند نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت غدری انقلابیوں کے مقدمات کی سماعت کے لیے اسپیشل ٹریبونلز قائم کیے۔ ان ٹریبونلز کے فیصلوں کے خلاف اعلیٰ عدالتوں میں اپیل کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ ۱۷۵ افراد پر فردِ جرم عائد کی گئی۔ ان میں سے ۲۰ افراد کو پھانسی، ۵۸ کو کالے پانی (انڈیمان) اور باقی ۹۷ کو کم مدت کی سزائیں ہوئیں۔ جو غدری قانون سے بچ نکلے وہ امریکا فرار ہو گئے اور وہاں جا کر انہوں نے غدر پارٹی کی دوبارہ تنظیم کی اور برطانوی غلامی سے آزادی کے لیے فکری محاذ پر جدوجہد کرتے رہے۔

اِسی زمانے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن (۱۸۵۱ء۔۱۹۲۰ء) نے بھی تحریکِ آزادی شروع کر رکھی تھی۔ شیخ الہند کے شاگردوں اور مریدوں میں خیبر پختونخواہ، آزاد قبائل اور افغانستان سے تعلق رکھنے والوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ ان میں جہاد کی روح پھونکنے کی غرض سے ''حزب اللہ'' کے نام سے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی گئی۔ شیخ الہند نے اپنے شاگرد رشید مولانا فضل ربی اور حاجی صاحب ترنگ زئی (حاجی فضل واحد) کو قبائلی علاقے میں فوج تیار کرنے پر مامور کیا۔ شیخ الہند کے بہت سے مرید اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک پھیلے ہوئے تھی۔ شیخ الہند نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اندرونِ ملک روگی (ضلع ہزارہ) اور ڈھاکا میں بغاوت مراکز قائم کیے اور انقلابی کارروائی کی تاریخ ۱۹ر فروری ۱۹۱۵ء مقرر کی۔ جب یہ کارروائی بروئے کار نہ آسکی تو مجاہدین نے مختلف مقامات پر جہاد شروع کر دیا اور انگریزوں کو سخت پریشان کیا۔ بیرونِ ملک یاغستان اور کابل میں امدادی مراکز قائم کیے۔ کابل کے مرکز کی چار شاخیں مدینہ منورہ، استنبول، انقرہ اور برلن (جرمنی) میں تھیں۔ یاغستان مرکز مولانا سیف الرحمٰن اور حاجی ترنگ زئی کی قیادت میں کام کر رہا تھا جبکہ کابل مرکز کے پہلے قائد راجہ مہندر پرتاب اور دوسرے مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔ شیخ الہند جنگِ عظیم کے نامساعد حالات کی وجہ سے خود جہاد مرکز پر نہ جاسکے لیکن وہ ترکی کی امداد حاصل کرنے کے لیے حجاز پہنچ گئے۔ اسی زمانے میں پنجاب میں مسلم ایجوکیشنل کانگریس قائم ہوئی۔ اس جماعت نے لاہور میں لیکچروں کا اہتمام کیا۔ طلباء نے ان لیکچروں میں بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ اس کے نتیجے میں فروری ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور، اسلامیہ کالج اور میڈیکل کالج کے ۱۵ طلباء ترک فوج میں شامل ہو کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کے شوق میں کابل پہنچ گئے۔ ان طلباء میں ظفر حسن ایبک، میاں عبدالباری، شیخ عبدالقادر، شیخ خوشی محمد اور اقبال شیدائی زیادہ معروف ہوئے ہیں۔ بعض دیگر نوجوان بھی سرحد پار کر گئے تھے۔ نوجوانوں اور طلباء کو کابل میں گرفتار کر لیا گیا اور کئی ماہ پولیس کی نگرانی میں رہنے کے بعد اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ تحریکِ آزادی سے کسی قسم کا رابطہ نہ رکھیں۔ روپیہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ان طلباء نے ترکی کے سفر کا اظہار نہ کیا۔ (۱۵) بعد ازاں ان میں سے کچھ طلباء انقلابی لیڈروں سے ملے اور تحریکِ آزادی کو کامیاب بنانے کے لیے کام کرتے رہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی کی تجویز تھی کہ افغانستان، ترکی اور جرمنی کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کرے اور اسے آزاد کرائے۔ چنانچہ یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو کابل میں ہندوستان کی جلاوطن حکومت (حکومتِ موقتۂ ہند) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے صدر مہندر پرتاب، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی، وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی، وزیر جنگ مولوی محمد بشیر، وزیرِ خارجہ محمد علی قصوری، وزیر متھرا سنگھ اور مختارِ کار خدا بخش مقرر کیے گئے۔ لیکن انگریزوں کی حکمتِ عملی کی وجہ سے ہندوستان پر حملے کا آغاز سب سے بڑے روحانی پیشوا سے کروایا، جن سے امیر افغانستان (حبیب اللہ خان) بھی بیعت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ نہ کرنے کے سلسلے میں امیر افغانستان کو آٹھ کروڑ روپے کا لالچ دیا گیا اور امیر کو حملے سے باز رکھنے کے لیے پیر صاحب کو ۵۰ لاکھ روپے ملے۔ (۱۶) حکومتِ موقتۂ ہند نے انگریزوں کے خلاف فوجی امداد حاصل کرنے کے

لیے اپنے مختلف وفود روس، ترکی، چین اور جاپان بھیجے۔ اگرچہ یہ وفود اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئے مگر یاغستان اور کابل میں انقلابی سرگرمیاں جاری رہیں۔ مولانا سندھی نے انقلابی سرگرمیوں کو منظّم کرنے کی خاطر ''جنودِ ربانیہ'' کے نام سے ایک تنظیم بھی قائم کی۔ انگریزوں نے ہرطرف جاسوسی کے جال پھیلا رکھے تھے۔ اس کے باوجود شیخ الہند کا رابطہ مجاہدین سے قائم تھا، خفیہ طریقے سے پیغام رسانی ہوتی رہتی تھی۔ ایسی ہی خفیہ پیغام رسانی مولانا سندھی نے ریشمی رومال خطوط کے ذریعے کی جو ناکام رہی۔ ان خطوط کو پڑھنے سے اگرچہ کسی بڑی سازش کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ مگر یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ مجاہدین کی جماعت انگریز مخالف سرگرمیوں میں مسلسل مصروفِ عمل تھی۔ جون ۱۹۱۶ء میں شاہ حسین شریفِ مکہ نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کردی اور انگریزوں کی مدد سے حجازِ مقدس میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں حکیم نصرت حسین، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل اور مولانا وحید احمد مدنی کو گرفتار کر کے مالٹا (یورپ) میں نظربند کردیا گیا۔ ادھر افغانستان اور ہندوستان میں بھی بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں جس کے بارے میں ذرہ برابر بھی شبہ ہوا کہ ان کا حریت پسندوں سے رابطہ ہے انہیں پابندِ سلاسل کردیا گیا۔ مارچ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں کو قید سے رہائی ملی اور وہ ہندوستان واپس آئے اور انہوں نے بڑے جوش سے تحریکِ خلافت اور ترک موالات میں حصہ لیا اور جمعیت العماء ہند کی تنظیم کی۔

جنگِ عظیم اوّل کے اختتام پر ضروریاتِ زندگی کی اشیاء میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا۔ لوگ معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے۔ طاعون اور وبائی زکام (Plague & Influenza) کی مہلک وبا سے دس لاکھ جانیں ضائع ہوگئیں۔ جنگ کے زمانے میں بھرتی ہونے والے فوجیوں کی سبکدوشی اور جلیاں والا باغ کے قتلِ عام (۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء) نے باغیانہ سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ غلامی کی زنجیریں توڑنے کا صحیح معنوں میں احساس پیدا ہوا اور فیصلہ کرلیا گیا کہ جس قیمت پر بھی ہوسکے، انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔ (۱۸) عوام اور حکومت کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ مسلح قوم پرستی کے نظریہ کو تقویت ملی۔ ذات اور نسل کے امتیاز کے بغیر طبقاتی شعور اس وقت تک کوئی طاقتور نظریہ نہیں تھا لیکن بالشویک انقلاب (۱۹۱۷ء) نے دنیا کی نوآبادیاتی بستیوں کو یہ پیغام دیا کہ ''اگر غریب اور استحصال زدہ عوام بھی باقاعدہ طور پر منظّم ہوجائیں تو وہ جابر اور مطلق العنان حکمران کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔ (۱۹) سامراج دشمن جذبات تحریکِ خلافت اور ترک موالات جیسی تحریکات کی شکل میں ظاہر ہوئے۔

سکھوں نے سامراجی حکومت کے خلاف ۱۹۲۱ء کے موسمِ گرما میں ببرا کالی تحریک کو منظّم کیا۔ (۲۰) یہ ایک مذہبی سیاسی تحریک تھی۔ اکالیوں اور ببرا کالیوں کے نظریہ وعمل میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اکالی اصلاحات لانے کے سلسلے میں پُرامن طریقوں پر یقین نہیں رکھتے ہیں جبکہ ببرا کالی مسلح جنگ کی حامی ہیں۔ ببرا کالی جتھے کو گاندھی جی کے اہنسائی طریقے سے بھی اختلاف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ انصاف عدالت میں نہیں مل سکتا۔ ببرا کالی لوگوں کو سکھ گروؤں اور روسی بالشویکوں

کے حوالے دیتے تھے اور انہیں قائل کرتے تھے کہ آزادی اسلحہ کے استعمال کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی اور اس لیے ہمیں مسلح تحریک چلانی چاہیے۔ ببر اکالی جتھے نے اپنے انقلابی نظریات کی وجہ سے انقلابیوں خصوصاً سکھوں میں بہت مقبولیت حاصل کرلی۔اس تحریک کے سربراہ جتھے دار کشن سنگھ گرگاج اور اس کے ساتھی دلیپ سنگھ گوسل، بابو سنتا سنگھ، کرم سنگھ جھنگیڑ اور دوسرے اس بات سے واقف تھے کہ مذہب لوگوں کو کسی بھی نظریے اور اصول کے مقابلے میں انقلاب کی طرف تیزی سے مائل کرسکتا ہے۔ وہ اس چیز سے بھی واقف تھے کہ انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے مسلح طاقتوں اور عوام کا متحد ہونا ضروری ہے۔ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے منظّم پروپیگنڈا کے بغیر کوئی بھی منصوبہ جو ملک کو آزاد کرانے کے لیے ہو، ناکام ہوجائے گا، جیسا کہ ۱۹۱۵ء میں غدریوں کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا۔ایک انتہائی موثر پروپیگنڈا کے ساتھ ببر اکالیوں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں متعدد کانفرنسیں کیں۔ ان کانفرنسوں میں آخری گورو گوبند سنگھ (۱۶۶۶ء۔۱۷۰۸ء) کے مظفر نامہ سے اشعار پڑھ کر لوگوں کو باور کرایا کہ تلوار اٹھانا سکھوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ ۲۳۔۱۹۲۲ء کے دوران سائیکلو اسٹائل اخبار ''ببر اکالی دوآبہ'' کے پندرہ شمارے نکالے۔اخبار کی پیشانی پر گرنتھ صاحب کا یہ اشلوک درج تھا ''سورما وہ ہے جو اپنے مذہب کی حفاظت کرتا ہے خواہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں وہ کبھی میدان نہیں چھوڑتا''۔اخبار کی پہلی دو اشاعتوں میں ملک کی بگڑتی ہوئی معاشی حالت اور برطانوی حاکموں کی لوٹ کھسوٹ پر روشنی ڈالی گئی۔عوام کو باور کرایا گیا کہ وہ اکالی دَل شیرومانی گوردوارہ پربندھک کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگریس کے پُرامن اصولوں کو چھوڑ کر غیر ملکیوں کو قتل کریں اور آزاد حکومت کے قیام میں مدد دیں۔دسمبر ۱۹۲۲ء میں حکومتی ایجنٹوں، مخبروں اور جھولی چکوں کی پالیسی کے سلسلے میں ایک تاریخی تبدیلی آئی۔جھولی چکوں کے استرے سے ناک اور کان کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ مخبروں اور ایجنٹوں کو قتل کرنے کی ایک مہم چلائی گئی تاکہ عوام کو خصوصاً ایسے لوگوں کو دہشت زدہ کیا جاسکے جو ببر اکالی رہنماؤں کی گرفتاری کے لیے حکومت کو مخبری کرتے ہیں۔گورو گوبند سنگھ کی روایت پر عمل کرتے ہوئے ببر اکالی جتھے دار کشن سنگھ نے کہا کہ اپنے دیس سے غیر ملکیوں کو نکالنے کے لیے تین نام پیش کیے جائیں۔کرم سنگھ ایڈیٹر، دھنا سنگھ چھل پور اور اودھے سنگھ رام گڑھیا نے اپنے نام پیش کیے اور قسم کھائی کہ وہ کبھی ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ برطانوی جیلوں میں پھانسی پانے کے بجائے لڑتے لڑتے مرنا پسند کریں گے۔حلف اٹھانے کے ایک ماہ کے اندر اندر جالندھر، ہوشیار پور اور کپورتھلہ کے اضلاع میں بہت سارے سرکاری افسروں اور برطانوی ایجنٹوں کو قتل کیا گیا۔حکومت نے اس کے ردِعمل کے طور پر جنوری ۱۹۲۳ء میں بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا اور مارچ تک کشن سنگھ گرگاج سمیت تمام اہم قائدین کو گرفتار کرلیا۔ ببر اکالی لہر کو مجریہ ۱۹۰۸ء کے تحت غیر قانونی قرار دیا گیا۔۹۱ ببر اکالیوں پر ببر اکالی کیس کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ان میں سے تین جیل میں مرگئے۔۱۲ کو عمر بھر کے لیے کالے پانی کی سزا دی گئی۔۳۸ کو مختلف میعاد کی سزائیں دی گئیں۔کشن سنگھ گرگاج، کرم سنگھ مانکو، بابو سنتا سنگھ، دالیکا دھمیا، دھرم سنگھ اور دلیپ سنگھ کو سال کو ۲۷ فروری

۱۹۲۶ء کو جیل میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کشن سنگھ نے تختہ دار پر چڑھنے سے پہلے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور یہ پیش گوئی کی کہ شہیدوں کے لہو کا ہر قطرہ قومی مقاصد کے لیے طاقت کا ایک سرچشمہ بن جائے گا۔ اس نے مزید کہا کہ اب وہ دن دور نہیں کہ انقلابی برطانوی راج کو ختم کر دیں گے۔(۲۱)

ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن (۱۹۲۴ء) اور نوجوان بھارت سبھا (۱۹۲۶ء) کے قیام سے قبل انقلابی تحریک صرف حب الوطنی کے جذبات لیے ہوئے تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جدوجہدِ آزادی میں بڑی سے بڑی قربانی دیں۔ اس تحریک کی کوئی نظریاتی بنیاد نہیں تھی۔ غدر پارٹی کے ارکان اگرچہ اپنے دوسرے دور میں سوشلسٹ فلسفے کے زیرِ اثر آ گئے تھے اور اس کے نتیجے میں ان کی ایک بڑی تعداد کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئی۔ مگر اس کے فعال ترین دور (۱۹۱۴۔۱۵ء) میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نظریاتی تحریک نے ایک طرف لالہ بردیال اور بھائی پرمانند جیسے لوگوں کو متاثر کیا جو بعد میں کٹر ہندو قوم پرست بن گئے۔ دوسری طرف سوہن سنگھ بھکنہ کرمکھ سنگھ لالٹن، سنتوکھ سنگھ اور دوسرے کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے اور انہوں نے انقلابی تحریک کے لیے نمایاں کام کیا۔ نوجوان بھارت سبھا اور سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن بھی ببرا کالیوں کی طرح گاندھی کے فلسفے اہنسا اور ستیہ گرہ پر یقین نہیں رکھتی تھیں اور آزادی کے حصول کے لیے نافرمانی اور عدم تعاون جیسی فضول مزاحمت کی قائل نہیں تھیں۔ کانگریس کے قائدین سے مایوسی نے انہیں متبادل راہ کی تلاش پر اُکسایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عسکریت پسند ایک انقلابی پروگرام کے ساتھ میدان میں اترے تھے۔ جس کا مقصد حصولِ آزادی کے بعد سوشلسٹ حکومت کا قیام تھا۔ سبھا کی تنظیم بھگت سنگھ، رام چندر، چھبیل داس، بش پال، بھگوتی چرن، سکھ دیو، احسان الٰہی اور دیگر نے کی تھی جبکہ ایسوسی ایشن کو چندر شیکھر آزاد، سچندر ناتھ سنیال، جگیش چندر چٹرجی، رام پرشاد بسمل اور دیگر انقلابیوں نے قائم کیا۔ یہ بین الاقوامی کساد بازاری کا زمانہ تھا اور ہندوستان بالخصوص پنجاب اس کے اثرات سے آزاد نہیں تھا۔ صوبے میں تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بڑی بے روزگاری پھیلی ہوئی تھی۔ زرعی محاذ پر بھی یونینسٹ پارٹی کے اقدامات سے بڑے اور درمیانے درجے کے زمینداروں کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔ ان حالات میں نوجوان طبقہ سبھا کے زیرِ اثر آ گیا۔ سبھا نے نوجوانوں کو غدری ہیروز کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب دی اور ان کے سامنے آئرلینڈ، ترکی، جاپان اور چین کے نوجوانوں کی مثالیں پیش کیں۔ انہیں اشتمالیت اور بالشویک انقلاب سے متعلق لٹریچر پڑھنے کو کہا۔(۲۲) انہوں نے ہفتہ سوویت دوستی اور یوم کاکوری (۲۳) منایا۔ سائمن کمیشن (۱۹۲۷)ء کے بائیکاٹ میں سبھا کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو کمیشن کی لاہور آمد کے موقع پر جو بڑا جلوس نکالا گیا اس میں بھی سبھا کا ہاتھ تھا، جس میں لالہ لاجپت رائے (۱۸۵۸۔۱۹۲۸ء) مبینہ طور پر پولیس سپرنٹنڈنٹ جے ایس اسکاٹ کے ہاتھوں زخمی ہو کر ہلاک ہو گئے تھے۔(۲۴) لالہ جی کی موت کا بدلہ سبھا کے لیڈروں بھگت سنگھ ''راج گرو جے گوپال اور چندر شیکھر آزاد نے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بی پی سانڈرس اور اس کے ریڈر ہیڈ کانسٹیبل چنن سنگھ کو پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے ۱۷دسمبر ۱۹۲۸ء کو کھلے عام قتل کر کے لیا۔

نوجوان بھارت سبھانے رائے عامہ کو معاشرتی تبدیلی کا احساس دلانے کے لیے بڑا کام کیا۔ برطانوی راج کے خلاف لوگوں کو مسلح جدوجہد کا پیغام دیا اور اس مقصد کے لیے پنجاب اور مغربی یوپی کے چھوٹے کمیونسٹ گروپوں سے رابطے بھی کیے۔ ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن کے ساتھ مل کر ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی (HSRA) کی تنظیم کی اور اس میں دیہی اور شہری علاقوں کے انقلابی نوجوانوں کو بھرتی کیا۔ لیکن ان کا سوشلزم غیر واضح اور کمزور تھا۔ وہ صرف سوشلسٹ انقلاب میں مزدور طبقے کی اہمیت کی باتیں کرتے تھے چونکہ ان کا تعلق شہری طبقے سے تھا۔ اس لیے ان کی سرگرمیاں بھی چند شہروں تک محدود تھیں اور وہ بھی صرف درمیانی اور نچلے طبقے کے نوجوانوں میں۔(۲۵) اس کے بعد انہوں نے بالشویک انقلاب کے بانی وی آئی لینن (V.I.Lenin) کے اصول کو نظرانداز کرتے ہوئے (یعنی عوام کو بغاوت کے لیے تیار کیا جائے) اپنا پیغام بہادری کے کارناموں کے ذریعے پھیلانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے انفرادی دہشت گردی کو بھی جائز سمجھا جس سے پہلے انہوں نے خود گریز کیا تھا۔ یہ دہشت گردی کی اصطلاح درحقیقت ایک دور تھا۔ ایک ایسا دور جو انقلاب کے لیے ناگزیر تھا۔ دہشت گردی مکمل انقلاب نہیں ہے اور نہ ہی دہشت گردی کے بغیر انقلاب ممکن ہوتا ہے۔ دہشت گردی حکام کے دل میں خوف پیدا کرتی ہے اور محکوم عوام میں ہمت اور اعتماد پیدا کرتی ہے۔ یہ حاکم طبقے کی عظمت ختم کر دیتی ہے اور دنیا کی نظروں میں محکوموں کا وقار بلند کرتی ہے کیونکہ یہ کسی بھی قوم کی طلب آزادی کا موثر ترین ثبوت ہے۔(۲۶) ایک ایسے وقت جب برطانوی ظلم کے خلاف اظہار کے تقریباً تمام راستے بند تھے۔ انقلابیوں کے لیے دہشت گردی ہی ایک موثر ہتھیار رہ گیا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہندوستان میں دہشت گردی کو انقلاب میں اور انقلاب کو آزادی میں بدلا جاسکتا ہے۔ انقلابیوں کا نعرہ تھا کہ ہم رحم نہیں چاہتے اور نہ ہی رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ہماری جنگ فتح یا موت تک جاری رہے گی۔(۲۷)

ہندوستان میں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثر نے حکومت کو خوف زدہ کر دیا۔ حکومت کا خیال تھا کہ ملک میں کمیونزم کو ماسکو کے کمیونسٹ انٹرنیشنل سے تقویت مل رہی ہے جس کی ہدایت پر برطانیہ کے کمیونسٹ ہندوستان آرہے ہیں۔ حکومت کا یہ بھی خیال تھا کہ کانگریس کے کلکتہ اجلاس (۱۹۲۸ء) میں شدت پسندوں نے غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ اس نے بائیں بازو کی طاقتوں پر ضرب لگانے کے لیے اسمبلی میں دو بل پبلک سیفٹی بل (Public Sefety Bill) اور ٹریڈز ڈسپیوٹس بل (Trades Disputes Bill) پیش کیے۔(۲۸) اوّل الذکر بل کو مرکزی مجلس قانون ساز نے مسترد کر دیا تو آرڈیننس کے ذریعے اسے نافذ کیا گیا اور بعد الذکر بل غیر سرکاری ممبران کی شدید مخالفت کے باوجود منظور ہوگیا۔ اس سے انقلابیوں کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنے ہم وطنوں کو بتائیں کہ جدوجہد کے قانونی اور دستوری طریقے بے اثر ہو چکے ہیں۔ انہیں فرانسیسی انارکسٹ والیانت (Valliant) کے الفاظ یاد آرہے تھے کہ بہرے صرف دھماکے ہی سن سکتے ہیں۔ بھگت سنگھ اور باٹوکشیور دت نے ان بلوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ۸ اپریل ۱۹۲۹ء کو مرکزی اسمبلی ہال (دہلی) میں دو بم پھینکے۔ ان بموں سے نقصان بہت کم ہوا۔ بقول جواہر لعل نہرو ''ان کا مقصد صرف ایک اونچی آواز پیدا کرنا تھا اور ملک کی توجہ حاصل کرنا مقصود تھا۔''(۲۹)

بھگت سنگھ اور بی کے دت نے نعرے لگائے۔ انقلاب زندہ باد، سامراج مردہ باد، دنیا کے مزدورو! ایک ہو جاؤ اور پمفلٹ تقسیم کرنے کی بعد عدالت میں ان الفاظ میں اپنے مقاصد کا اعتراف کیا۔" یہ دھماکا کسی شخص کے خلاف نہیں تھا، یہ استحصال کرنے والی غیر ذمہ دار اور غیر جمہوری حکومت کے خلاف تنبیہی تھا۔ اس کا مقصد بہرے کانوں کو سنانا اور تصوراتی عدم تشدد کے دور کا خاتمہ تھا اور اس تاریخی سبق کو دہرانا تھا کہ شاہی احکامات اور پیرس کا باسٹیل انقلابِ فرانس (۱۷۸۹ء) کو اور سربیریا کی سرنگیں انقلابِ روس (۱۹۱۷ء) کو نہیں روک سکتا۔ اسی طرح آرڈیننس اور سیفٹی بل ہندوستان میں شمع آزادی کو نہیں بجھا سکیں گے۔(۳۰)

بھگت سنگھ اور دت کی گرفتاری کے جلد بعد سکھ دیو، راجگرو کشوری لعل، جین داس، جے گوپال، ہنس راج اور دیگر انقلابیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر لاہور سازش کیس (Lahore Conspiracy Case) کے نام سے مقدمہ قائم کیا گیا۔ اگرچہ ان انقلابیوں نے جیل میں رہ کر بھی اپنی جدوجہد کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود انقلابیوں کی گرفتاری اور مقدمے نے انقلابی تحریک کو کافی کمزور کر دیا۔

اسپیشل ٹریبونل نے چار ماہ تک مقدمے کی سماعت کرنے کے بعد ۷/اکتوبر ۱۹۳۰ء کو فیصلہ سناتے ہوئے بھگت سنگھ اور ان کے دو جری ساتھیوں راج گرو اور سکھ دیو کو سزائے موت دے دی۔ اس فیصلے سے عوام مشتعل ہو گئے اور مختلف مقامات پر اپیل کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ ہز میجسٹی (His Majesty) کو رحم کی اپیل کی گئی۔ ۱۷ فروری ۱۹۳۱ء پورے صوبے میں بھگت سنگھ کا دن منایا گیا۔ اس موقع پر نیتا جی سبھاش چندر بوس (۱۸۹۷ء-۱۹۴۵ء) نے کہا کہ بھگت سنگھ زندہ باد اور انقلاب زندہ باد۔ ان دونوں نعروں کا مقصد ایک ہی ہے۔ مہاتما گاندھی تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ بھگت سنگھ کی زندگی کے برابر رومان کسی بھی زندگی میں کبھی نہیں رہا۔(۳۱) مگر اس نوجوان کی زندگی جس نے ہندوستان کے نوجوانوں کو ولولہ بخشا نہیں بچائی جا سکی اور اسے راج گرو اور سکھ دیو کے ساتھ ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء کو لاہور کی پرانی سینٹرل جیل (اب اس جگہ پر شادمان کالونی ہے) میں پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بعد جلد ہی عسکری قوم پرستی نے اپنی کشش کھو دی۔ آزادی کے لیے جان دینے والے ان سورماؤں کی کوئی یادگار تعمیر نہیں کی گئی۔(۳۲)

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں وقوع پذیر ہونے والی انقلابی تحریک بالشویک انقلاب (۱۹۱۷ء) سے متاثر تھی۔ اس نے تحریکِ آزادی کی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا اور حکمرانوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کیں۔ اس تحریک کا مقصد نوجوانوں میں انقلابی بیداری اور برطانوی سامراج سے بیزاری پیدا کرنا تھا۔ اس مقصد میں وہ نمایاں طور پر کامیاب رہی لیکن سوشلزم کو مقبول بنانے اور نوجوانوں کو کانگریس طریقوں سے متنفر کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔ برطانوی حکومت کے خلاف انتہا کی مخالفانہ رویہ رکھنے کے باوجود محدود کامیابی حاصل کر سکی۔ دہشت گردی ایک انقلابی سیاسی بیداری کو جنم دیتی ہے۔ مگر بعض اوقات یہ وقار میں کمی کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ کسی تحریک کی جڑیں عوامی شراکت سے ہی مضبوط ہوتی

ہیں اور عوامی شراکت کے لیے ضروری ہے کہ عوام تحریک کے اصولوں اور حکمتِ عملی کی حمایت کریں۔لیکن انقلابیوں کی سرگرمیاں چند شہروں تک محدود تھیں۔عوام کی وسیع پیمانے پر حمایت حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ بورژوا طبقے مقامی زمینداروں کانگریس، اکالی دل اور یونینسٹ پارٹی کے طریقۂ کار اور برطانوی سامراج سے ان کے تعلق کا تجزیہ کر کے اپنا لائحہ عمل تیار کیا جاتا۔یہی وجہ ہے کہ انقلابی ایک مضبوط قوت نہ بن سکے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان انقلابیوں نے عوام کو انقلابی شعور دیا جو تحریکِ آزادی کی رفتار کو تیز کرنے کا باعث بنا۔اسی لیے انقلابی تحریکوں کا تجزیہ کرنے والے حالیہ دور کے مورخین (۳۰) کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان انقلابیوں کو تحریکِ آزادی میں وہ جائز مقام مل جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

مراجع وحواشی

۱۔ پنجاب پر انگریزوں کے قبضے (۱۸۴۹ء) کے آٹھ سال بعد ۱۸۵۷ء کو جنگِ آزادی میں جن جن پنجابی سورماؤں نے انگریز سامراج سے ٹکر لی، اُن میں احمد خان کھرل، مراد فتیانہ، نظام لوہار، امام دین گوہاویہ، ماماند کاھیا، نادر شاہ قریشی، ولی داد مردانہ، موکھا دینی وال، دولا ماچھی، جگا اور جیونا موڑ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔دیکھیے سریندرناتھ سین Eighteen Fifty Seven دہلی ۱۹۵۷ء، ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری، پنجاب اور آزادی کی تحریکیں، ص ص ۴۷۔۲۵، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۹۸ء

۲۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں چلنے والی کوکا یا نامدھاری تحریک بنیادی طور پر ایک مذہبی اصلاحی تحریک تھی۔لیکن حکومت اور کوکاؤں کے درمیان جھڑپوں کی وجہ سے اس کا ابتدائی کردار مذہبی سے زیادہ سیاسی سمجھا جاتا ہے۔بابا بالک سنگھ اروڑا (حضرو=اٹک) اور گرورام سنگھ (بھینی صاحب=لدھیانہ) اس کے دو بڑے قائدین تھے۔دیکھیے ایم ایم اہلووالیہ KUKAS: The Freedom Fighters of the Punjab، الائیڈ پبلشرز، بمبئی ۱۹۶۵ء۔بھگت سنگھ بلگہ، پنجاب کی سیاسی جدوجہد، ص ص ۶۸۔۵۵، لاہور ۲۰۰۳ء

۳۔ اخبار عام، لاہور، ۶/اپریل ۱۹۰۷ء

۴۔ کچھ اہم انقلابی اور سیاسی لٹریچر یہ تھا: (i) قومی اصلاح از نندا لال (ii) امانت میں خیانت از سوارن سنگھ (iii) غدر از سوارن سنگھ (iv) قومیں کیسے زندہ رہتی ہیں از سوارن سنگھ اور کُشن سنگھ (v) دیسی فوج ظفر موج از سوارن سنگھ اور کُشن سنگھ (vi) سرکاری ملازمت از لال سنگھ اور کُشن سنگھ (vii) پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو از اجیت سنگھ (viii) ہندوستان میں انگریز سرکار نے انگلی پکڑتے پونچا پکڑا از اجیت سنگھ (ix) باغی مسیح از صوفی انبا پرشاد (x) تاریخِ ہندوستان اور بعض دیگر موضوعات جیسے تلک مہاراج، ٹیپو سلطان، میر قاسم، جاپان کی ترقی اور زار شاہی کا خاتمہ وغیرہ پر لیکچرز (xi) بانکے دیال کی انقلابی نظم ملاحظہ فرمائیے:

پگڑی سنبھال او جٹّا! پگڑی سنبھال اوئے
فصلاں نوں کھا گئے کیڑے، تن تے نہیں تیرے لیرے
بُھکاں نے خون نچوڑے، رُندے نے بال اوئے
پگڑی سنبھال او جٹّا! پگڑی سنبھال اوئے
بن دے نیں تیرے لیڈر راجے تے خان بہادر
تینوں تے کھاون خاطر وچھدے نیں جال اوئے
ہند ہے تیرا مندر، اس دا پجاری توں

چلیں گا کدوں تک اپنی خماری توں
لڑنے تے مرنے دی کر لے تیاری توں
پگڑی سنبھال او جٹا! پگڑی سنبھال اوئے
سینے تے کھاویں تیر رانجھا توں دیس ہے ہیر
سنبھل کے چل توں ویر پگڑی سنبھال
تی کیوں دیندے ویرو بیگار اوئے
ہو کے اکٹھے ویرو مارو للکار اوئے
تاڑی دوہتھ وجے چھاتیاں نوں تان اوئے
پگڑی سنبھال او جٹا! پگڑی سنبھال اوئے

مآخذ: بھگت سنگھ بلگہ پنجاب کی سیاسی جدوجہد، لاہور ۲۰۰۳ء، Sriram Sharma, Punjab in Ferment، دہلی ۱۹۷۰ء، ایس چند کمپنی، پروفیسر ستیہ ایم رائے، پنجاب کی انقلابی تحریکیں، لاہور ۲۰۰۴ء

۵۔ Sedition Committee Report، ص ۱۴۴، کلکتہ ۱۹۱۸ء

۶۔ وی سی جوشی (مرتب) Auto Biographical Writings of Lajput Rai، ص ۲۲۸، یونیورسٹی پبلشرز، دہلی ۱۹۶۵ء، ضمیمہ II

۷۔ ہرداس مکھرجی اور اما مکھرجی Sri Urobindo and New Thought in Indian Politics، ص ۶۰، کلکتہ ۱۹۶۴ء
اجیت سنگھ کے بارے میں تفصیلی جانکاری کے لیے ملاحظہ فرمائیے: دیول جی ایس، سردار اجیت سنگھ، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ ۱۹۷۳ء

۸۔ مین بہاری مجمدار، Militant Nationalism in India، ص ۱۲۲، کلکتہ ۱۹۶۶ء

۹۔ احمد، جدید ہندوستان کی معمار، ص ۱۱۹، انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی ۱۹۸۸ء

۱۰۔ بحوالہ مین بہاری مجمدار کی مندرجہ بالا کتاب، ص ۱۷۹

۱۱۔ گورچرن سنگھ ساہا نسرا، غدر پارٹی دا اتہاس، ص ص ۸۳۔۳۸، جالندھر ۱۹۶۱ء، خشونت سنگھ اور ستیندر رسنگھ Ghadar 1915، ص ص ۱۳۔۱، نئی دہلی ۱۹۶۶ء، پروفیسر ستیہ ایم رائے، پنجاب کی انقلابی تحریکیں، ص ص ۵۵۔۳۴، لاہور ۲۰۰۴ء

۱۲۔ اشرف عطا، کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے، ص ص ۶۷۔۱۲۶، سندھ ساگ اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۶ء، مزید دیکھیے شفقت رضوی، نقیبِ انقلاب: مولانا برکت اللہ بھوپالی، ص ص ۲۴۔۱۲۳، پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی، کراچی ۲۰۰۷ء

۱۳۔ سر مائیکل اوڈوائر، India as I Knew it 1885-1925، ص ص ۲۰۷، کونسٹیبل، لندن ۱۹۲۵ء

۱۴۔ ایچ بی خان، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، ص ص ۷۔۱۰۶، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۵ء

۱۵۔ سید محمد میاں، تحریک شیخ الہند، ص ۳۱۷، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۸ء

۱۶۔ شفقت رضوی کی مندرجہ بالا کتاب، ص ۱۷۹۔ مزید دیکھیے مہندر پرتاب، My Life Story of Fifty Years، ص ۵۴، ڈیرہ دون ۱۹۴۷ء

۱۷۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کی ساتھی تین سال قید کاٹنے کے بعد ۸ جون ۱۹۲۰ء کو ہندوستان پہنچے اور شیخ الہند ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ دیکھیے: سید محمد میاں، اسیرانِ مالٹا، کراچی ۱۹۸۶ء

۱۸۔ اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، ص ۱۶۹، لاہور ۱۹۶۸ء

۱۹۔ ڈاکٹر رومیش والیہ کا مضمون Freedom Movement in the Punjab and the Soviet Revolution in Proceeding of Punjab History Coference، ص ۲۵۵، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ ۱۹۸۱ء

۲۰۔ بیسویں صدی میں سکھوں کی پہلی نمائندہ تنظیم ۱۹۰۲ء میں چیف خالصہ دیوان قائم ہوئی۔ اس کے بعد ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو سینٹرل سکھ لیگ اور ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء کو شرومنی گوردوارلم پربندھک کمیٹی (مرکزی گوردوارہ انتظامی کمیٹی) کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو اکالی دل کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی گئی۔ یہ تمام جماعتیں برطانوی راج کی وفادار تھیں۔ لیکن ببرا کالی ہندوستان کو برطانوی سامراج سے آزاد کروانا چاہتی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: جے ایس گریوال، سکھ: مذہب تاریخ سیاست، باب ہفتم اور ہشتم، (ترجمہ، امجد محمود) لاہور بک ہوم ۲۰۰۷ء

۲۱۔ سندر سنگھ مخصوص پوری، ببرا کالی لہر، سنگھ برادرز، امرتسر ۱۹۷۰ء، اجیت جاوید، پنجاب میں بائیں بازو کی سیاست، ص ص ۸۶۔۸۵، لاہور ۱۹۸۸ء

۲۲۔ دیکھیے India and Communism (Confidential) Compiled in the Intelligence Bureau, Govt of India, Simla 1935

۲۳۔ ۹/اگست ۱۹۲۵ء کو ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن کے کچھ ارکان نے کاکوری ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک ٹرین سے سرکاری خزانہ (۴۶۷۹ روپے) لوٹ لیا تھا۔ پولیس نے تعاقب کر کے بعض لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ ان پر جو مقدمہ چلا وہ کاکوری کیس کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۵۔ بپن چندرا "The Ideological Development of the Revolutionary Terrorists in Northern India in the 1920s (Types Cript)"، ص ۱۴۹، ۱۹۲۰ء

۲۶۔ دیکھیے The HSRA Manifesto, in Terrorism in India 1917-1936، شملہ ۱۹۳۷ء

۲۷۔ ایضاً تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عزیز احمد، پنجاب اور بیرونی حملہ آور، ص ص ۲۷۔۲۰۷، بک ہوم، لاہور ۲۰۰۷ء

۲۸۔ پبلک سیفٹی بل ستمبر ۱۹۲۸ء کو اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ ہوم ممبر نے اس بل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے تحت ان لوگوں کو برطانوی ہند سے نکالا جا سکے گا جو ہندوستان کے شہری نہیں ہیں۔ لیکن تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ حکومت اس بل کے ذریعے سوشلزم کے بڑھتے ہوئے اثر کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ ٹریڈ ڈسپیوٹس بل فروری ۱۹۲۹ء کو اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اس بل میں تحقیقاتی عدالتیں اور مصالحتی بورڈ قائم کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ اس کے ذریعے عام لوگوں کی ضرورت کے محکموں میں بغیر نوٹس کے ہڑتال کرنا جرم قرار دیا گیا اور ایسی ہڑتالوں کو غیر قانونی قرار دیا گیا جن کا تعلق تجارتی جھگڑوں سے نہ ہو۔ حکومت اس بل کے ذریعے ٹریڈ یونین تحریک کو کنٹرول کرنا چاہتی تھی۔ دیکھیے: منورن جن جھا، جدوجہدِ آزادی میں مرکزی مجلس قانون ساز کا کردار، ص ص ۳۸۔۱۳۲، (مترجم: غلام ربانی تاباں) نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی ۱۹۷۳ء

۲۹۔ جواہر لعل نہرو، Glimpses of World History، بمبئی ۱۹۶۵ء

۳۰۔ دیکھیے: روزنامہ Pioneer دہلی، ۶ جون ۱۹۲۹ء

۳۱۔ بحوالہ خشونت سنگھ A History of the Sikhs، ص ۲۲۶، پرنسٹن ۱۹۶۶ء

۳۲۔ کلدیپ نیر، بھگت سنگھ اور جہدِ انقلاب، ص ۲، (ترجمہ: فہمیدہ ریاض) اوکسفورڈ، کراچی ۲۰۰۲ء

۳۳۔ بپن چندرا کی مندرجہ بالا کتاب، ص ۱۴۹

۳۴۔ آر سی مجمدار History of the Freedom Movement in India، ۲ جلدیں، کلکتہ ۱۹۶۳ء، بی بی مجمدار Indian Political Association and Reports of Legislature, 1818-1917، کلکتہ ۱۹۶۵ء، مین بہاری مجمدار، Militant Nationalism in the India، کلکتہ ۱۹۶۶ء، اجے کمار گھوش، بھگت سنگھ اور اس کے ساتھی، مکتبہ دانیال، کراچی ۱۹۸۵ء، احمد سلیم، بھگت سنگھ: زندگی اور خیالات، کراچی ۱۹۸۶ء، کے کے کھلر، شہید بھگت سنگھ، سیمانت پرکاش، نئی دہلی ۱۹۸۹ء